Hazara Islamicus, Vol.:10, Issue: 01,Jan-June 2021
PP:81-98

OPEN ACCESS
Hazara Islamicus
ISSN (Online): 2410-8065
ISSN (Print): 2305-3283
www.hazaraislamicus.com

سامی ادیان میں بیوہ اور مطلقہ خواتین کے معاشی حقوق کا جائزہ

Economical Rights of Widowed and Divorced From the Perspective of Semitic Religions

Zia-ud-Din
Ph.D Scholar, Islamic Studies & Religious Affairs, University of Malakand/Lecturer Islamic Studies, University of Swat.

Prof.Dr.Ata Rehman
Dean Social Sciences/Chairman Department of Islamic Studies, University of Malakand

Abstract

Economic problems are an unavoidable phenomenon of human life. Since woman is considered as marginalized segment of the society, widowed and divorced are treated as servant of the house or even inferior than that. History of Non-Semitic Religions reveals that woman generally, widows and divorced particularly are treated as inhuman. Same is the case with followers of Semitic Religions, as they have left no stone unturned but to deprive widowed and divorces of their economic status and rights being granted by Allah SWT. The aim of this paper is to investigate the economic status of widowed and divorced in Semitic religions only, i.e, Judaism, Christianity and Islam. It is found that the Holy Torah and its commentary Talmud, Injeel and other religious authorities have declared woman as devil and source of menace, which consequently deprived them of maintenance, inheritance, and rights to Property. Contrary to Judaism and Christianity, Islam does guaranteed the economic rights of woman generally and of widowed and divorced particularly, to safeguard the welfare of both individual and family as well. It is found that unfortunately, even the followers of Islam are also making evasions to deprive the mention population from their religious and socio-economic rights, i.e, re-marry, Inheritance, maintenance and right of property etc. Therefore, it is suggested that religious scholars, government and other stake holders of the society should work together to overcome the real economic problems faced by this marginalized segment of the society.

***Key Words**: Widows, Divorced, Socio-economic rights, Remarry, Maintenance, Inheritance and Right of Property etc.*

تعارف

مسائل خواہ سماجی ہو یا اخلاقی، سیاسی ہو یا معاشی تاہم انسانی زندگی اور مسائل کا تعلق ناگزیر ہے۔ ابتدا میں مسائل کی نوعیت اتنی پیچیدہ نہیں تھی تاہم دور جدید میں نت نئے اور پیچیدہ مسائل نے انسان کی سماجی اور معاشی زندگی کو بھی پیچیدہ بنادیا ہے۔ مسائل کو ختم کرنا تو ناممکن ہے تاہم ان مسائل کو مؤثر قانون سازی کے ذریعے قابو کیا جاسکتا ہے۔انسان کو درپیش چیلنجز اور مسائل میں ایک اہم مسئلہ بیوہ اور مطلقہ کے سماجی اور معاشی حقوق کی عدم ادائیگی ہے جس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بیوہ اور مطلقہ کے سماجی اور معاشی مسائل کے حل اور ان کے حقوق کے بارے میں ادیان سماویہ کے پیروں کاروں کے رویے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ادیان عالم کے مطالعہ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ عورت کو یہودیت اور عیسائیت کے علاوہ غیر الہامی مذاہب میں خواہشات کی تسکین اور شیطان کی آلہ کار سمجھا گیا ہے۔ دنیا میں کمزور، محروم اور لاچار طبقات میں بیوہ اور مطلقہ سرفہرست ہیں۔ عورت کی سماجی حیثیت ہو یا معاشی انسانیت روز آفرینش سے اس حوالے سے افراط و تفریط کی شکار ہیں۔ یہودیت اور عیسائیت میں بیوہ اور مطلقہ خواتین سماجی حقوق کی حصولی میں مردوں کے رحم وکرم پر ہے۔ نکاح ثانی کا معاملہ ہو، طلاق یا خلع کا، حق مہر ہو، نان نفقہ کا معاملہ ہو یا حق ملکیت کا ہر لحاظ سے وہ معاشرتی اور دینی رسومات میں جکڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح عیسائیت میں عورت کو روح خبیثہ، شجرۃ السموم، شیطان کا آلہ کار، منحوس اور گناہ ازلی کی وجہ تصور کیا جاتا ہے۔ بائبل میں عورت کو ایک غیر اخلاقی کائن کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ نکاح کے برعکس تجرد پسندی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہودیت اور عیسائیت میں بیوہ اور مطلقہ کے سماجی اور معاشی حقوق، بنیادی انسانی حقوق اور قانون فطرت سے متصادم ہیں جس کی کسی بھی قیمت پر اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہودیت اور عیسائیت کی تعلیمات پر مبنی مغرب اور یورپی تہذیب عورتوں کے ان غیر ضروری مسائل کے لئے آواز اٹھاتی ہے جو سرے سے عورت بشمول بیوہ اور مطلقہ کے مسائل ہے ہی نہیں۔

اس کے برعکس دین اسلام عورت بشمول بیوہ اور مطلقہ کو اس کے جائز سماجی، اخلاقی اور معاشی حقوق دیتا ہے۔اسلامی تعلیمات کی رو سے فرائض اور حقوق کی ادائیگی ہی کو کامیابی کا زینہ قرار دیا گیا ہے۔ یہاں پر یہودیت، عیسائیت اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیوہ اور مطلقہ کے سماجی اور معاشی حقوق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہودیت میں عورت کی معاشی حیثیت

یہودیت میں عورت کی سماجی اور معاشی حیثیت پر عہد قدیم، تلمود اور مشناہ میں متضاد آراء پیش کئے گئے ہیں۔ سفر الاستثناء میں ہے کہ میاں اپنی بیوی سے کسی بیہودہ حرکت پر ناراض ہو جائے تو وہ طلاق نامہ ([1]) پر لکھ کر طلاق دے سکتا ہے اور اسے گھر سے نکال سکتا ہے تاہم گھر سے نکلتے ہی عدت ختم ہوئے بغیر دوسرے شخص سے شادی بیاہ کر سکتی ہے۔ اور اگر وہ نکاح ثانی کر لیتی ہے اور دوسرا شوہر بھی کسی وجہ سے اس کو طلاق دیتا ہے تو خداوند اس کے پہلے خاوند کو منع کرتا ہے کہ وہ دوبارہ اس سے شادی کرے([2])۔ اسی طرح بیوی اگر اپنے خاوند کے ساتھ مزید رہ نہیں سکتی تو اس صورت میں بیوی کو خلع لینے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ سفر الاستثناء کے باب ۲۵ میں ہے کہ اگر دو یا دو سے زیادہ بھائی کسی ایک گھر میں رہتے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک بے اولاد مر جائے تو اس کی بیوہ گھر سے باہر شادی نہیں کر سکتی بلکہ مرحوم کا بھائی اسے بیوی بنائے گا اور اس کی حق زوجیت ادا کرے گا۔ان دونوں کے ملاپ سے جو بچہ پیدا ہوگا اس کی نسبت اس عورت کے سابقہ شوہر سے قائم کی جائے گی تاکہ

اس کا نام امت اسرائیل سے مٹ نہ جائے۔ اگر اس کا دیور اس کے ساتھ شادی کے لیے آمادہ نہیں ہوتا تو قبیلے اور علاقے کے بزرگوں کے پاس وہ جائے گی اور شکایت کرے گی۔ بزرگوں کی کاوشوں سے اگر پھر بھی وہ نہ مانے تو بھاوج اپنے دیور کے منہ پر تھوک دے گی اور اس پر جوتا اتارے گی اور اسرائیلی قومیت سے ان کو بے دخل کیا جائے گا۔ جو اس بات کی دلیل ہو گی کہ اس نے خاندانی رسم کو نہیں نبھایا([3]) ۔اس رسم کو "الیبوم" کہا جاتا ہے([4])۔ یہ عورت اور مرد دونوں کے ساتھ بھی ظلم ہے اور ان کی آزادی اور پسند پر قدغن ہے جس کا دستور اور رواج کتاب مقدس نے تشکیل دیا ہے۔ یہودیت میں طلاق کا اختیار مرد کو حاصل ہے۔ گو کہ طلاق پسندیدہ عمل نہیں ہے مگر پھر بھی اس پر کوئی روک ٹھوک نہیں اس لیے کہ مرد معمولی باتوں پر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ شریعت موسوی میں طلاق دینے کے تین اسباب ذکر کئے جاتے ہیں۔ زنا، بانجھ پن اور عیوب اخلاقی۔ اس کے برعکس یہودیت میں بیوی اپنے شوہر سے کسی بھی طرح طلاق یا خلع طلب نہیں کر سکتی خواہ اس کا شوہر زانی کیوں نہ ہو۔ یہودیت میں عزم ہی کافی ہے طلاق کے لیے، اس کے بعد شوہر کو بذریعہ کتابت طلاق دینا ہوگا۔ طلاق کی کتابت کے لیے ماہر کاتب اور دو گواہوں کا ہونا لازمی ہے۔ طلاق دینے کے بعد شوہر بغیر حلالہ کے رجوع کر سکتا ہے۔ تاہم مطلقہ عورت دوسری شادی کرنے کے بعد بیوہ یا مطلقہ بننے کی صورت میں سابقہ شوہر سے نکاح ثانی نہیں کر سکتی ہے۔ مطلقہ عورت کو طلاق کے بعد گھر سے نکالا جائے گا اور نان نفقہ کی حقدار نہیں ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیت میں مطلقہ عورت پر عدت گزارنا بھی لازم نہیں۔ سماجی حقوق سے محرومی کی وجہ سے یہودی عورت معاشی حقوق سے محروم رہتی ہے۔ اس لئے کہ جس انسان کی سماجی حیثیت کو جب تسلیم نہیں کیا جاتا یا اس کی حیثیت ابتر ہو تو پھر ایسے لوگوں کو معاشی حقوق بھی ادا نہیں کئے جاتے۔ اس کو جائیداد، حق مہر، نان نفقہ اور میراث سے محروم کیا جاتا ہے۔

مطلقہ عورت کی دوسری شادی پر عہد قدیم معترض ہے جیسے کہ سفر الاحبار میں یہودیوں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ تو کسی فاحشہ اور مطلقہ عورت سے شادی نہیں کرے گا([5])۔ اور مزید آگے نصوص میں ارشاد ہوتا ہے کہ اپنی قوم کی کنواری عورت سے شادی کرو اور ناپاک اور فاحشہ، بیوہ اور مطلقہ کے ساتھ شادی نہ کرو([6])۔ سفر الاستثناء اور سفر الاحبار کے ان نصوص سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہودیت کا خواتین بشمول بیوہ اور مطلقہ کے ساتھ رویہ کتنا ظلم اور بے انصافی پر مبنی ہے۔

اسی طرح یہودیت میں عورت کے لیے عملاً میراث میں حصہ مقرر نہیں ہے۔ عورت خود جائیداد منقولہ کی شکل میں ترکہ بن جاتی تھی اور اگر باپ سے میراث میں کچھ حصہ مل بھی جاتا تو شوہر اس کا مالک بن جاتا تھا۔ بنی اسرائیل میں پہلوٹھا بیٹا اپنے باپ کے ہر چیز کا مالک بن جاتا تھا خواہ اس میں اہلیت ہو یا نہ ہو یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں نبی کا بڑا بیٹا نبوت کا بھی وارث بن جاتا تھا([7]) ماسوائے ایک واقعہ کے جہاں پر میراث کی تفصیلات موجود ہے وہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر میت کے وارثین میں بیٹے نہ ہو اور صرف بیٹیاں ہوں تو اس صورت میں ان کو میراث دیا جائیگا([8])۔ باقی عورت کے مردوں کی موجودگی میں حق میراث نہیں ہے۔ قدیم یہویوں کے نزدیک عورت کو بہت مشکل سے میراث ملتی تھی۔ جائیداد کی ملکیت کی صورت میں اس پر سماجی طور پر یہ پابندی ہوتی تھی کہ جائیداد کو باہر خاندان میں منتقل کرنے سے بچانے کے لیے وہ خاندان میں اندر رہتے ہوئے شادی کرے گی۔ اور اس قاعدہ پر آج بھی لوگ عمل پیرا ہے۔ قانون یہودیت کے مطابق اگر میت صاحب اولاد ہو تو بڑے بیٹے کو دیگر بیٹوں کے نسبت دوگنا حصہ ملے گا اور بیٹیاں محروم ہوں گی۔ خواہ یہ بیٹا نکاح صحیح سے ہو یا ولد الزنا اس صورت میں بیٹیوں کے

لیے صرف نفقہ ہے۔ اور اگر اولاد نرینہ نہ ہو تو اس صور میں پھر بیٹی میراث کی حقدار ہو گی (9)۔ بیٹیاں بھی نہ ہوں تو اس صورت میں میراث بھائیوں کو ملے گا۔ تاہم بیوہ میراث اور جہیز دونوں کی حقدار نہیں ہو گی۔ اسی طرح بیوی کے مرنے کی صورت میں سارا ترکہ شوہر کو ملے گا (10)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ والدین، بیوی، بیٹی اور بہن بھائیوں کے لیے کوئی فریضہ مقدر نہیں ہے۔ اگر میت کا بیٹا نہ ہو تو نواسہ میراث کا حقدار ہوگا۔ اور اگر نواسہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں میت کی بیٹی میراث کی حقدار بنتی ہے۔ فروع کی عدم موجودگی میں اصول میراث کے مستحق ہونگے (11)۔

یہودیت میں یہ اصول بھی ہے کہ بڑے بیٹے کو میراث ملے گا لیکن اس کے برعکس تورات کے سفر الاستثناء میں ہے کہ اگر کسی کی دو ایسی بیویاں ہوں جن میں سے وہ ایک کو پسند جبکہ دوسری کو ناپسند کرتا ہو اور دونوں سے لڑکے پیدا ہوگئے ہوں۔ اگر ناپسندیدہ عورت کا بیٹا بڑا کیوں نہ ہو مگر پسندیدہ بیوی کا بیٹا بڑا تسلیم کیا جائے گا اور پسند اور ناپسند کی بنیاد پر اصول میراث سے انحراف کیا جائے گا (12)۔ اس کے علاوہ تالمود کے مطابق یہودی عورت خواہ وہ بیوہ ہو یا مطلقہ کی گواہی قبول نہیں کی جاتی (13) ۔ جب کہ عہد نامہ جدید میں عورت کی گواہی پر ہدایات کا فقدان ہے۔ ان مذکورہ بالا امثال اور احکامات میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔ اور اگر ہم یہ بات تسلیم بھی کریں کہ یہ استثنائی صورت ہے تب بھی اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پسند اور ناپسند کی بنیاد پر تقسیم میراث کا فارمولا انسانی ہو سکتا ہے یہ اللہ تعالی کا فرمان نہیں ہو سکتا۔ جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ تورات تحریف شدہ ہے۔

یہودیت میں باپ کو اختیار ہے کہ بیٹی کو بطور کنیز کسی کے ہاتھوں فروخت کرے۔ باپ کی عدم موجودگی میں یہ اختیار بھائی کو حاصل ہوتا ہے (14)۔ شادی سے پہلے عورت کی کمائی باپ کی ہوتی ہے اور شادی کے بعد شوہر کی اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ شوہر کی جائیداد اور ترکہ میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا (15)۔ متوفی مرد کی بیوائیں بیٹوں کو وراثت میں ملتی اور یہی وجہ ہے کہ یہودیت میں سوتیلی ماؤں اور سوتیلے بیٹوں کی آپس میں شادیاں ہوتی تھیں۔ اس لیے کتاب سفر استثناء میں آیا ہے کہ "اس شخص پر لعنت اور پھٹکار ہو جو اپنے باپ کی بیوی سے مباشرت کرے" (16)۔ جس کو اسلام نے "نکاح المقت" سے تعبیر کرتے ہوئے رد کیا (17)۔ ارشادی باری ہے ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ...... كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ (18)۔ یعنی باپ کے مرنے پر ان کی منکوحہ سے نکاح کرتے تھے جو شریعت اسلامی میں حرام قرار دیا گیا اور موجب مقت یعنی اللہ کی غضب اور ناراضگی کا باعث بنا دیتا ہے۔ امام قرطبیؒ نکاح مقت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "هو أن يتزوج الرجل إمرأة أبيه إذا مات عنها أو طلقها" (19)۔ یہی رویہ زمانہ جاہلیت میں مکہ کے کفار میں بھی رائج تھا۔ آگے چل کر سفر استثناء میں آیت ۱۳ سے ۲۱ تک پوری شدومد کے ساتھ بیان ہوتا ہے کہ اگر کسی مرد نے ایک عورت سے شادی کی اور پھر صحبت کے بعد اس سے نفرت کرے اور اس پر بہتان اور تہمت باندھے کہ میں نے ان کو کنواری نہیں پایا۔ تو پھر لڑکی کے والدین لوگوں کو جمع کرے گا اور اپنی بیٹی کے کنوارے پن کا ثبوت پیش کرے گا۔ اگر وہ کنواری ثابت ہوئی تو مرد کو کوڑے مارے جائیں گے اور چاندی کے سو (۱۰۰) مثقال بطور جرمانہ اس لیے لیا جائے گا تاکہ ان کے والدین کو دیا جاسکے۔ اور پھر اس سزا پانے کے بعد یہ عورت اس کی تاحیات بیوی ہو گی اور وہ کبھی بھی اس کو طلاق نہیں دے پائے گا۔ اور یہی ایک اسرائیلی عورت کو بدنام کرنے کی سزا ہے۔ اور اگر

وہ اپنے دعوی میں سچا ثابت ہوا، یعنی لڑکی کنواری نہیں تھی، تو اس صورت میں اس لڑکی کو اس کے والدین کے گھر کے لوگوں کی موجودگی میں سنگسار کیا جائے گا۔ اس لیے کہ انھوں نے اپنے باپ کے گھر فحش کام کیا[20]۔ اور مزید آگے جا کر آیت ۲۸ تا ۲۹ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ایک آدمی کو کنواری لڑکی مل جائے اور وہ اس سے زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا تو وہ مرد لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس (۵۰) مثقال دے گا اور وہ لڑکی اس کی تاحیات بیوی بنے گی اور وہ پھر کبھی اس کو طلاق نہ دے پائے گا[21]۔ سفر الاستثناء باب ۲۲ میں شادی کے بعد اگر لڑکی کا کنوارہ پن ثابت نہ ہو تو اس صورت میں شوہر اپنے سسر کو سو مثقال بطور جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ جبکہ سفر الخروج کے باب ۲۲ میں کنواری لڑکی سے زنا کے ارتکاب کی صورت میں زانی کا مزنیہ سے نکاح بعوض پچاس مثقال مہر کے کروایا جائے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہودیت میں بیوی کو حق مہر ایک مقدس رشتے کو نباہنے کی صورت میں نہیں ملتا بلکہ ایک جرم کے واقع ہونے کے بعد مہر بطور جرمانہ ادا کیا جاتا ہے۔

القلم رسالے کے ایک مضمون کے مطابق بنی اسرائیل پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کبھی طلاق دینے کا اختیار لڑکی کے باپ کے پاس تھا وہ اپنے داماد کا قائم مقام بن کر اپنی بیٹی کو طلاق دے سکتا تھا[22]۔ پھر بعد میں طلاق دینے کا اختیار خاوند تک محدود رہا جس میں وہ اپنی بیوی کو بغیر کسی وجہ سے طلاق دے سکتا تھا ماسوائے دو حالتوں میں۔ ایک وہ حالت جس میں ایک غیر شادی شدہ عورت سے زنا ہوتا ہے اور دوسرا وہ کہ ایک مرد اپنی بیوی پر یہ الزام لگائے کہ میں نے اس میں کنواری ہونے کے علامات نہیں پائے۔ اسی طرح اگر ایک عورت کا طلاق ہو جائے اور دوسرے شوہر سے بھی طلاق پائے یا اس سے بیوہ ہو جائے تو اس صورت میں بھی یہ اپنے سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی، جو کہ ایک غلط طریقہ ہے۔ یہودی مرد کو بلا قید تعدد ازواج کی اجازت تھی۔ یہودی عورت جب باپ سے کچھ میراث میں لیتی تھی یا کوئی مال اپنے شوہر کے گھر لے جاتی تو اس کی ملکیت وہاں ختم ہو جاتی اور شوہر اس کا مالک بن جاتا۔ یہودی فرقہ ربیون نے عورت کو مال میں تصرف سے منع کیا تھا تاہم ایک دوسرا فرقہ قراؤن نے ان کو اجازت دی تھی۔ موجودہ جدید یہودیت میں اس کو آزادی حاصل ہے وہ ہر قسم کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی مالکہ بن سکتی ہے اور اس میں تصرف بھی کر سکتی ہے[23]۔

یہودیت میں طلاق مرد کا اختیار ہے جبکہ عورت طلاق یا خلع طلب نہیں کر سکتی خواہ اس کا شوہر زانی کیوں نہ ہو۔ طلاق دینے کے بعد شوہر بغیر حلالہ کے رجوع کر سکتا ہے۔ مطلقہ عورت کو طلاق کے بعد گھر سے نکالا جائے گا اور نان نفقہ سے محروم ہو کیا جائے گا۔ قدیم یہودیوں کے نزدیک عورت کو بہت مشکل سے میراث ملتا تھا۔ جائیداد کی ملکیت کی صورت میں اس پر سماجی طور پر یہ پابندی ہوتی تھی کہ جائیداد کو باہر خاندان میں منتقل کرنے سے بچانے کے لیے وہ خاندان میں اندر رہتے ہوئے شادی کرے گی[24]۔ ابتدا میں عورت کو یہودیت میں اہم مقام حاصل تھا مگر دیگر تہذیبوں کے زیر نگین رہنے کی وجہ سے عورت کو خاندانی خدمت پر مامور کیا گیا۔ جبکہ جدید یہودیوں نے قدیم یہودی تصورات کو فرسودہ قرار دے کر ایسے عائلی قوانین بنائے ہیں جس کے مطابق عورت خلع اور تنسیخ نکاح کے لیے عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ عورت کو مذہبی اور دنیاوی تعلیم حاصل کرنے اور سینگاگ میں جا کر عبادت کرنے کا حق دیا گیا۔ تاہم اس کے باوجود قدامت پرست یہودی اس کوشش میں ہیں کہ عورت کو اس کا مذہبی مقام واپس دلوایا جائے۔ جبکہ یہودی ربی ۱۹۸۰ تک اس بات پر سوچ و بچار کر رہے تھے کہ عورت کو حق گواہی دی جائے یا

نہیں ([25])۔

یہودی عائلی قوانین کو مد نظر رکھتے ہوئے عورت کا حق مہر کو جائز ٹھہرایا اور اس کو زنا کے ساتھ متعلق کیا۔اسی طرح مرد کو اختیار دیا ہے کہ وہ جب چاہے عورت کو بغیر کسی سبب شرعی کے طلاق دے سکتا ہے۔ مطلقہ کے عدت کے مسائل واضح نہ ہونے کی وجہ سے مطلقہ عدت میں دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ تاہم اس کے باوجود یہودیوں کو حکم ہے کہ وہ بیوہ اور مطلقہ عورت کے ساتھ شادی نہ کرے۔ بیوہ عورت کو اپنے شوہر کے بھائی سے شادی پر مجبور کیا جائے گا اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اگر ان دونوں کا کوئی بچہ پیدا ہو جائے تو اس کی نسبت میت کی طرف کی جائے گی۔اور اگر مرحوم کا بھائی اس کی بیوی سے شادی سے انکار کرے تو اس کی باقی زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ کنواری لڑکی سے جبری جنسی زیادتی کی صورت میں جرمانے کے عوض شادی کی جائے گی۔ اور اس کے حق مہر کو ایک سماجی جرم اور سزا سے منسلک کیا کیا جائے گا۔ یہودیوں کے ہاں اولاد نرینہ میراث کے حقدار ہوتے ہیں۔ اولاد نرینہ کی موجودگی میں بیوہ، بیٹیاں اور والدین بھی میراث سے محروم ہوتے ہیں۔ یہودیت میں نکاح کا اختیار ہو، طلاق، مہر یا میراث ہر لحاظ سے عورت کی آزادی اور اس کے سماجی اور معاشی حقوق کو مردوں کے رحم و کرم پر چھوڑا گیا ہے۔ اس کے برعکس دور جدید کے یہودیوں نے عورت کو مادر پدر آزاد حیثیت دی ہے اور اسے سماجی اور معاشی طور پر خود مختار بنادیا ہے۔

عیسائیت میں بیوہ کی معاشی حیثیت

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے مطابق بیوہ کو نکاح ثانی کی اجازت ہے۔ اگر اس کو شہوت پرستی اور مستی کا چسکا نہ ہو تو وہ دوسری شادی سے پرہیز کرے ([26])۔ تاہم یہ نصیحت ہے حکم نہیں اس لیے کہ آگے فرماتے ہیں کہ بیوہ عورت جس سے چاہے تو شادی کر سکتی ہے ([27])۔ عیسائیت میں یہودیت کی طرح اگر کسی عورت کا شوہر بغیر اولاد کے فوت ہو جائے تو اس کی بیوہ اپنے مرحوم شوہر کے بھائی سے شادی کرے گی۔ اور جو پہلا بچہ پیدا ہوگا تو اس کا نام مرحوم کے نام رکھا جائے گا ([28])۔ جہاں تک نصرانیت میں عورت کے لیے حق میراث کا مسئلہ ہے تو وہ بھی یہودیت سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ بقول عیسیٰؑ وہ نئی شریعت لے کر نہیں آئے ہیں بلکہ شریعت موسوی کی تکمیل کے لیے آئے ہیں ([29])۔ عیسائیت میں یہودیت کی طرح بیٹے کی موجودگی میں بیٹی کو میراث سے محروم کیا گیا ([30]) بلکہ عیسائیت میں عورت یہودیوں کی طرح بذات خود ترکہ تصور کیا جاتا تھا اور مرد کی محکوم رہتی تھی ([31])۔ بیوہ کے لیے شوہر کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں اور نہ شوہر کے لیے بیوی کے میراث میں کوئی حصہ ہے۔ بیٹے کی موجودگی میں بیٹی محروم ہوگی اور اگر صرف بیٹی وارث ہو تو اس صورت میں میراث کی حقدار ہوتی ہے۔اسی طرح وارثین میں اگر بھائی اور اس کے بچے بھی نہ ہوں تو اس صورت میں بہن بھی حقدار ٹھہرتی ہے۔ انگلینڈ میں آج بھی Primogeniture کا قانون رائج ہے جس کے مطابق میت کے ورثاء میں سب سے بڑا بیٹا میراث کا حقدار ہوتا ہے جبکہ دیگر ورثاء محروم ہو جاتے ہیں۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ بڑے بیٹے کی عدم موجودگی میں بھائی، اگر وہ نہ ہو تو باپ، اگر وہ بھی نہ ہو تو چچا، اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے بڑھتے ہوئے نواسوں تک جائے گا لیکن بیٹیوں، بیوی اور ماں کو پھر بھی کچھ نہیں ملے گا۔ تاہم حقوق نسواں اس پر نہیں بولتی ([32])۔

عورت بائبل کی نظر میں

عیسائیت کوئی الگ مذہب نہیں تھا بلکہ دراصل یہودیت کا تسلسل تھا۔ انجیل متی میں ہے کہ "یہ نہ سمجھو کہ میں تورات

یا دیگر انبیاء کی کتب کو کالعدم کرنے آیا ہوں، بلکہ میں تو اسے پورا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں" ([33])۔ ہندوازم اور یہودیت کی طرح عیسائیت میں بھی عورت کو سماجی اور معاشی اعتبار سے مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے۔ عیسائیت میں عورت کو ملعون، شیطان کاآلہ کار، روح خبیثہ کا مسکن ([34]) اور ازلی گناہ کا محور قرار دے دیا گیا ([35])۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اس بے بنیاد کہانی پر سورۃ البقرہ میں رد کرتے ہوئے عورت کو اس ازلی گناہ کے تصور سے مبرا قرار دے دیا([36])۔ سفر پیدائش باب ۳۵ کے مطابق حضرت یعقوبؑ جن کو اسرائیل کا لقب دیا گیا تھا([37]) کے بارہ بیٹے تھے ([38])۔ جن میں سب سے بڑے بیٹے کا نام رُوبن تھا نے اپنے والد گرامی یعقوبؑ کی بیوی جس کا نام بلہاہ تھا کے ساتھ مباشرت کی اور اپنے باپ کی مدخولہ کو بے آبرو کیا([39])۔ مزید آگے چل کر سفر پیدائش باب ۳۸ میں وارد ہوا ہے کہ " یہوداہ کے تین بیٹے تھے جن میں سے انھوں نے بڑے بیٹے جس کا نام عیر تھا کے لیے شادی کروائی۔ تاہم وہ خداوند کی نظر میں شریر تھا تو خداوند نے اسے مار دیا۔ تو جودہ نے اپنے دوسرے بیٹے اونان سے کہا کہ اپنی بھابھی سے جا کر مل اور اپنے بھائی "عیر" کا حق ادا کر تاکہ ان کا نسل چلے" ([40])۔ ہم پہلے بھی ذکر چکے ہیں کہ یہودی قانون کے مطابق جب کوئی بے اولاد مرے تو مرحوم کا بھائی اپنی بھابھی سے صحبت کرے گا تاکہ مرحوم کا نسل چلے۔ ان نصوص کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ کیسے ایک مرد کی اولاد کی نسبت دوسرے مرے ہوئے انسان کی طرف کی جاتی ہے؟ اور اس کو قانونی شکل دی جاتی ہے۔ اسی طرح آگے چل کر نص ۱۷ تا ۱۹ میں ہے کہ یہوداہ نے اپنی بہو کو کاروباری اور کسبی عورت سمجھ کر اس سے مباشرت کی اور وہ اس سے حاملہ ہوئی ([41])۔

اسی طرح سموئیل دوم کے باب ۱۳ کو پڑھنے سے یہ بات مزید کھل کر سامنے آتی ہے کہ بائیبل میں نزدیک رشتوں کے تقدس کو پامال کرنے کے واقعات کو ایسے انداز میں بیان کیا گیا ہے جیسے کہ آپ کوئی مذہبی کتاب کی بجائے کسی معاشقے یاsex پر مشتمل کسی ناول کو پڑھتے ہیں۔ جہاں داودؑ کے بیٹے امنون اپنی بہن تمر پر کیسے عاشق ہوتا ہے؟ اور بیماری کا بہانہ بنا کر اپنی بہن کو اپنی خدمت پر مامور کرواتا ہے اور جب وہ ان کے پاس آتی ہے تو یہ ان کے منع کرنے کے باوجود بھی اس کے ساتھ زنا بالجبر کا مرتکب ہوتا ہے([42])۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود شادی نہیں کی تھی اس لیے عیسائیت میں ازدواجی زندگی سے دوری کو اخلاقی ترقی اور روح کی صفائی اور ترقی کا معیار قرار دے دیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ میں غیر شادی شدہ ہو جبکہ بیواؤں کو میری نصیحت ہے کہ وہ بھی ایسا ہی رہے جیسا کہ میں ہوں ([43])۔ رہبانیت کی آڑ میں تجرد پسندی کو پروان چڑھایا گیا ہے([44]) اور یہی وجہ ہے کہ عیسائیت میں نن (Nun) تجرد کی زندگی پر فخر محسوس کرتی ہے۔ تاہم مجبوری کے عالم میں شادی کی اجازت دی گئی ہے ([45]) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ازدواجی تعلق کو گناہ سے تعبیر کیا گیا۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ چرچ میں مقدس عبادت میں شرکت سے پہلی والی رات میں میاں بیوی کی ہم بستری کو مقدس عبادت میں شرکت سے مانع قرار دیا جاتا ہے۔ اور عیسائی حضرات تجرد پسندی اور بغیر نکاح کی زندگی کو اعلی نصب العین قرار دیتے ہیں اور اسے پاکیزہ اور اعلی کردار کی علامت سمجھتے ہیں اور اس کے برعکس میاں بیوی کے رشتے کو منحوس اور نجس خیال کیا جاتا تھا ([46])۔

عائلی قوانین کے حوالے سے عیسائیت میں کوئی واضح اور دوٹوک موقف نہیں پایا جاتا۔ لڑکا اور لڑکی کے رشتہ ازدواج

میں منسلک ہونے سے پہلے چرچ میں اعلان کروایا جاتا ہے کہ دونوں کے رشتے پر اگر کسی کو اعتراض ہو تو وہ آکر وضاحت کریں تاہم ایک مرتبہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد پھر اگر کسی کو کوئی قانونی وجہ کا علم ہو تو وہ خاموش رہے اس لیے کہ عیسائیت میں طلاق کے فعل کو پسند نہیں کیا جاتا۔ طلاق کی اس صورت میں اجازت تھی جب عورت زنا کریں۔ عیسائی علماء کا خیال ہے کہ زنا کے علاوہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو دوسری عورت سے شادی زنا تصور کیا جائے گا۔ مطلقہ عورت سے اس صورت میں نکاح صحیح تصور کیا جاتا تھا جب وہ دائمی طور پر علیحدہ ہو چکی ہو یعنی اس کی تنسیخ نکاح ہوئی ہو۔ اور یہ تب ہو سکتا ہے جب وہ زنا کے بعد طلاق لے ([47])۔ ایسے احکامات سے مرد اور عورت دونوں کی معاشرت نفسیاتی، جسمانی اور ذہنی دباؤ کا شکار رہتی ہے اور جرائم میں اضافہ کے باعث بنتا ہے۔

ان مذکورہ بالا نصوص کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بائیبل میں عورت کو کس طرح ایک غیر اخلاقی کائن کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان امثال کے علاوہ دیگر ایسی امثال ہیں جو اس سے بھی بدتر شکل میں پیش کی گئی ہیں جیسے کہ بی بی حواؑ اور گناہ اول کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بائیبل میں بی بی مریمؑ کے بارے وارد روایات میں بھی بی بی مریمؑ پر تہمت لگایا گیا ہے۔ جس پر قرآن مجید فرقان الحمید میں ان کے باطل تصورات پر رد کیا اور ان بلند اخلاق کا تزکیہ پیش کیا ہے۔

عیسائیت میں مطلقہ کی معاشی حیثیت

سفر متی اور سفر مرقس کے مطابق عیسائیت میں طلاق دینے کا طریقہ سمجھاتے ہوئے طلاق نامہ پر طلاق لکھ کر دیا جائے گا([48])۔ اس کے علاوہ دیگر نصوص میں بھی مطلقہ کو نکاح ثانی سے منع کیا گیا ہے اور دیگر غیر شادی شدہ اور شادی شدہ لوگوں کو بھی مطلقہ سے شادی سے منع کیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ مطلقہ کا نکاح ثانی کو زنا کا مؤجب قرار دے دیا گیا ہے۔ اور اگر کنواری لڑکی سے زنا کا ارتکاب ہو جائے تو اس صورت میں اس کنواری لڑکی کو مجبوراً اس زانی سے شادی کرنی پڑے گی اور اس گناہ کے جرم کی پاداش میں اسے پچاس مثقال جرمانہ بھی ادا کرنا پڑے گا اور یہ آدمی تاحیات اس کو طلاق نہ دینے کا بھی پابند ہوگا([49])۔ ایسے احکامات فطرت سلیمہ اور قانون فطرت سے بالکل متصادم ہیں جس کی کسی بھی قیمت پر اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کتاب مقدس میں اس جیسے احکامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہودیت اور عیسائیت کے مصادر قانون جس کی نسبت اللہ تعالی کی طرف ہوتی ہے میں کتنی انسانی مداخلت ہوئی ہے۔

عیسائیت میں مہر کی ادائیگی کا طریقہ

مہر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لیے اسلامی شریعت میں صداق، نحلہ وغیرہ کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ مہر وہ رقم یا جنس ہوتا ہے جب لڑکے کی طرف سے لڑکی کو بوقت نکاح دیا جاتا ہے۔ جبکہ موہر عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بوقت نکاح لڑکی کی بجائے جو رقم لڑکی کے والدین کو ادا کی جاتی ہے اس کو موہر کہا جاتا ہے([50])۔ عیسائیت میں حق مہر کا تصور گو کہ موجود ہے تاہم یہ مہر عورت کا معاشی حق نہیں تصور نہیں کیا جاتا۔ عیسائیت میں مہر لڑکی کے والدین کو ادا کیا جاتا ہے اور یہ تصور تقریباً یہودیوں کے ہاں بھی ملتا ہے جس کا اوپر یہودی تصور مہر میں ذکر ہوا ہے۔ سفر پیدائش باب ۳۴ میں مہر کے تصور پر خداوند نے حمور کا جو سکم کا باپ تھا، کا یعقوب علیہ السلام کے ساتھ دینہ جو یعقوبؑ کی بیٹی تھی کے زنا کے معاملہ پر تصفیہ کرتے ہوئے مکالمہ کو ذکر کیا ہے۔ جس میں سکم کا باپ حمور ایعقوبؑ کو مہر میں منہ مانگی قیمت کا اختیار دیتا ہے۔ جس کے بدلے میں یعقوبؑ کے

بیٹے اس شرط پر راضی ہوتے ہیں کہ سکم کے خاندان والے ختنہ کرے ([51])۔اور سفر الخروج باب ۲۲ آیت ۱۶ تا ۱۷ میں ہے کہ کنواری کے ساتھ زنا بالجبر کی صورت میں اس کو مہر کے عوض بیاہ کریں اور اگر اس کا باپ راضی نہ ہو تو اس صورت میں مذکورہ کنواری کا اس کے کنواری ہونے کی حیثیت کے موافق مہر دے ([52])۔کتاب مقدس کے عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کے نصوص سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر عورت کنواری ہو تو اس کا حق مہر ہوگا اور اگر کنواری نہ ہو تو پھر اس کا حق مہر نہیں ہوگا۔اس لیے کہ مہر کی حیثیت کو زنا بالجبر کا تصفیہ اور نکاح دونوں کا عوض تسلیم کی گئی ہے۔ جس کی مقدار یا تو ۵۰ مثقال چاندی اور یا ۱۰۰ مثقال چاندی مقرر کیا گیا ہے جس پر یہودی تصور مہر میں تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔اسی طرح مہر کو باہمی اتفاق سے ساقط کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ بادشاہ ساؤل نے داودؑ کے ساتھ جب اپنی بیٹی بیاہ کرنا چاہا تو داودؑ کی معاشی حالات کو دیکھ کر بادشاہ نے مہر معاف کر دیا ([53])۔

اسلامی تعلیمات میں بیوہ اور مطلقہ کے معاشی حقوق کا جائزہ

دین اسلام بیواؤں، یتیموں، مسکینوں، لاچاروں اور معاشرے کے کمزور طبقے سے حسن سلوک، بھلائی اور احسان کا درس دیتا ہے ([54])۔ اللہ تعالی نے دونوں صنفوں میں ساخت کے اعتبار سے تفاوت کے باوجود یہ ایک دوسرے کے لیے اضطراب، الفت، محبت، اور مودت و رحمت کا باعث بنایا ہے تاکہ نسل انسانی کی بڑھوتری اور تہذیب و تمدن کی بقاء کا ضامن ہو۔ ارشاد ہے کہ "تم عورتوں کا لباس ہو اور وہ تمھارا لباس ہے ([55])"۔گھر میں مرد کو قوام بھی اسلیے بنایا ہے کہ اس کے ذمے عورت کی مالی ذمہ داری پوری کرنی ہے ([56])۔ لیکن اس قوامیت کے غلط استعمال سے منع بھی کیا گیا ہے اور تعلیم دی ہے﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾([57])ترجمہ: اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ "خیارکم خیارکم لنسائه" ([58]) ترجمہ: "آپ میں بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کیساتھ بہتر ہو"۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ وسلم سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں" إِنَّمَا الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَلَيْسَ مِنْ مَتَاعِ الدُّنْيَا شَيْءٌ أَفْضَلَ مِنَ الْمَرْأَةِ الصَّالِحَةِ" ترجمہ: "یقینا دنیا سامان ہے اور دنیا کے سامان میں نیک اور عورت سے بہتر کوئی چیز نہیں ([59])"۔اور بچیوں کے ساتھ پیار و محبت اور ان کی صحیح تربیت کو خوشنودی خداوندی قرار دیا گیا ہے۔ والدین کی رضامندی کو خوشنودی الہی قرار دیا ہے جبکہ ماں کے قدموں تلے جنت کی نوید سنائی ہے۔ اسلام نے مرد کو بیوی کو طلاق کا حق دیا ہے تاہم وہ دو طلاقوں کے بعد عدت کے اندر اندر رجوع کر سکتا ہے۔ اگر اس کی نیت طلاق بائن کی ہو تو معروف کا معاملہ کرے اور علیحدہ ہو جائے۔ عدت کے بعد مطلقہ دوسری شادی کر سکتی ہے ([60])۔

اسلامی تعلیمات میں نہ صرف طلاق کو مبغوض اور اس کے طریقہ کار کو مشکل بنا دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں طلاق کی شرح دیگر معاشروں کے نسبت بہت کم ہے۔ طلاق اور خلع پر رخصتی کے وقت ان سے معروف رویہ رکھنے کا حکم ہے ارشاد باری ہے ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ ([61]) یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ اسے رکھو تو بھلے طریقے سے رکھو اور اگر آپ نے طلاق کا ارادہ کر لیا ہے تو بھی ان کو بھلے طریقے سے رخصت کرو اس لیے آگے جا کر فرماتے

ہیں ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا﴾([62]) یہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ حتی المقدور طلاق سے گریز کیا جائے جبکہ ناگزیر حالات میں طلاق کی صورت میں اس کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے کی ترغیب ہے اور مطلقہ بن جانے کے بعد اس کو کسی قسم کا ضرر نہیں دیا جائے گا اور نہ ان کو معاشرے میں برائی کیساتھ یاد کیا جائیگا۔ یہ بات بھی تسریح باحسان کے متقاضی ہے کہ اگر کوئی اس سے عقد ثانی کرنا چاہے تو سابقہ شوہر یا ان کے خاندان (ولی) والے کو اس میں روکاٹ ڈالنے سے روک دیا گیا ہے([63])۔ اسی طرح ایک روایت ہے کہ (لیس للولی مع الثیب امر) ([64])۔ ایک اور حدیث ہے کہ "الأیم أحق بنفسها من ولیه "([65]) دونوں احادیث بیوہ اور ثیبہ کے عقد نکاح میں ولی کے اعتبارِ رضامندی کو ساقط کیا گیا ہے([66]) کیونکہ بیوہ اور ثیبہ کی اجازت کے بغیر انعقاد نکاح ممکن نہیں۔ اس کے باجود اولیاء اس بات کا سرے سے کوئی خیال نہیں رکھتے جو صراحتاً ظلم ہے۔

عورت کے معاشی مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے شریعت نے بچوں کی خاطر خاوند پر نان نفقہ (روٹی، کپڑا اور مکان) لازم کیا ہے اس لیے کہ نان نفقہ حق زوجیت کی وجہ سے واجب ہے۔ بیوہ یا مطلقہ بننے کے بعد ان کی کفالت کی ذمہ داری باپ اور بھائی یا اگر بچہ جوان ہو، پر آجاتی ہے([67])۔ عدم تعاون کی صورت میں اس کی کفالت اسلامی حکومت کی ذمہ داری بن جاتی ہے([68])۔ پھر آگے چل کر سابقہ خاوندوں سے حکم ہوتا ہے کہ طلاق کی صورت میں ان کے ساتھ حسب استطاعت نیکی کی جائے جسکو ﴿وَمَتِّعُوهُنَّ﴾ ([69]) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور تجرد پسندی کو پسند نہیں کیا گیا۔ فرماتے ہیں ﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ﴾([70]) یعنی غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی نکاح کردو مفسرین نے "الایامیٰ" میں کنواری، بیوہ اور مطلقہ سب کو شامل کیا ہے([71])۔ یہ تعلیمات اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور خاندانی زندگی کی بہتری کے لیے ہیں تاکہ عورت حیاء، عزت اور وقار کے ساتھ زندگی بسر کرسکے اور محتاجی سے بچ سکے۔

خود حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبین علیہ وسلم نے کل گیارہ شادیاں کی اور ان کو آباد کیا۔ ان سے حسن سلوک اور ہمدردی سے پیش آئے اور امت کو بیواؤں کے ساتھ خیر خواہی کا درس دیا۔ ارشاد نبوی ہے "عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلي الله عليه وسلم قال" الساعي علي الأرملة والمسكين كالمجاهدفي سبيل الله, أو كالذي يصوم النهار ويقوم الليل "([72])۔ یعنی بیوہ عورت اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا اخدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبین علیہ وسلم مزید فرماتے ہیں کہ تین چیزوں میں تاخیر مت کرو، نماز جب اس کا وقت ہو جائے، جنازہ جب وہ حاضر ہو جائے، غیر شادی شدہ عورت جب اس کے لیے مناسب رشتہ مل جائے([73])۔ ایک اور روایت میں حضرت سراقہ بن مالکؓ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبین علیہ وسلمؐ سے نقل کرتے ہیں "کیا میں تمہیں عظیم صدقہ کے بارے میں آگاہ کردوں؟ وہ خرچ کرنا ہے اپنی اس بیٹی پر جو تمہاری طرف واپس کر دی گئی ہو (یعنی اس کا خاوند فوت ہوگیا ہو یا خاوند نے طلاق دے دی ہو) اور تمہارے سوا اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو" ([74]) جو کہ بیوہ اور مطلقہ بیٹی پر خرچ کرنے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے بیوہ اور مطلقہ کو معاشرہ میں وہ مقام ملا جس سے روشن خیالی اور آزادی کے نام پر ہمیشہ سے ان کو محروم رکھا گیا۔ اسلام نے حسن سلوک پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور بیوہ یا مطلقہ کیساتھ بدرجہ اولی احسان اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے جس پر یہ نص

قرآنی دال ہے ﴿وَعاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ([75]) اور حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ وسلمؐ کا ارشاد مبارک ہے "الخلق عيال الله فاحب الناس الى الله من احسن الى عياله" ([76])۔ بیوہ اور مطلقہ جو محتاج ہوتے ہیں وہ سب سے زیادہ حسن سلوک کے حقدار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے ہمیشہ مظلومین، مقہورین و مسلوبین کی طرف داری کی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب بیوہ ہوگئ تو آپ کے ساتھ یتیم بچے بھی تھے۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھیجا، تو خیال کیا کہیں میرے بچے حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ وسلم پر بوجھ نہ ہو عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ عیالدار ہوں یتیم بچے میرے ساتھ ہیں۔ تو حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھاری عیال اللہ اور اس کے رسول کی عیال ہے ([77])۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں۔ جن میں ۹۱ ٪ بیوائیں اور مطلّقات ہیں جو کہ سماج کا محروم طبقہ تھا کو آباد کیا۔

اس بحث سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ لاچار اور کمزور طبقہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے پر اجر و ثواب ہے۔ انسانی نجات اور جنتوں کے حصول کے لیے ماں کی رضامندی کو ضروری قرار دیا اور مادی وسائل کی تکمیل کے لیے ماں، بیوی، بیٹی اور بہن کو میراث کا حقدار ٹھہرایا۔ زوجین کی مفارقت کی صورت میں بیوہ کے لیے سوگ کو عدت کی صورت میں تین دن سے زیادہ رکھا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت بھی اس لیے دی گئ ہے۔ مطلقہ عورت کی عدت پوری ہونے تک وہ سابقہ شوہر کے گھر میں رہے گی اور وہ ان کی راحت اور آرام کا خیال رکھے گا۔ حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک اس کا خرچہ برداشت کرے گا۔ بچے کی ولادت کے بعد رضاعت کی اجرت ادا کرے گا۔ خواتین بالعموم جبکہ بالخصوص بیوہ اور مطلقہ کو شریعت کے دائرے کسب معاش کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح خواتین کی عزت نفس کا خیال رکھتے ہوئے مردوں کو بغیر اجازت کے ان کے گھر کے اندر داخلہ سے منع کیا ہے اور نگاہیں نیچے رکھنے کا حکم دیا ہے۔

اسلام میں بیوہ کا حق میراث

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عورت کی کفالت کی ذمہ داری شادی سے پہلے باپ اور بھائیوں پر تو شادی کے بعد شوہر اور بچوں پر عائد ہوتی ہے۔ اسلام نے بیوہ اور مطلقہ کے معاشی حقوق کو مردوں کے حقوق کے مساوی قرار دیا ہے۔ جس پر قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی عنہم اجمعین کا مجموعی تعامل گواہ ہے ارشاد ہے ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ---﴾ ([78]) ۔ یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ تعالی نے میراث کا حق مقرر کیا ہے اس ترکہ میں سے، خواہ یہ ترکہ کم ہو یا زیادہ، جسے ان کے والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے عورتوں کے حصص کا الگ سے بیان کیا جس سے ان کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ علامہ ابو السعودؒ، امام ابن کثیرؒ اور امام الرازیؒ فرماتے ہیں کہ استحقاق میراث کے حوالے سے مرد اور عورت برابر ہیں ([79])۔ تقسیم میراث کے لیے اصل قاعدہ اور پیمانہ حصہ نسواں قرار دیا ہے۔ یعنی مردوں کے حصے کا تعین بھی عورت کے حصے کے تعین سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾([80])۔ یعنی یہ کہ اللہ تمہاری اولاد بارے تمہیں حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ یہاں پر مردوں کی فضیلت کا معنی اخذ کرنا اسلامی احکامات کے تصور عدل سے بے خبری ہے([81])۔ دنیا کی اکثر اقوام نے عورت کے حق وراثت کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا ہے جبکہ اسلام میں عورتوں کو ذوی

الفروض کا درجہ دیا گیا ہے([82])۔ یہ بات قابل غور ہے کہ سعد بن ربیع جب غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو عرب روایات کے مطابق سعد کے بھائیوں نے جائیداد پر قبضہ کر لیا تو شہید کی بیوہ نے حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ وسلمؐ کو اس کی شکایت کی تو میراث کا حکم نازل ہوا ([83])۔ اب جو لوگ عورتوں کو کمزور سمجھ کر ان کو حصہ نہیں دیتے اور میراث کو مختلف حیلوں بہانوں سے دبا لیتے ہیں ان کے لیے عذاب مہین کی وعید ہے۔ہمارے سماج میں بعض لوگ اپنی بیٹی، بہن کی رخصتی نکاح میں سامان جہیز کرکے اپنی بیٹی اور بہن کو میراث سے محروم کر دیتے ہیں۔جبکہ عورت (ماں، بیٹی، بہن،اور بیوی) مختلف مصلحتوں کی خاطر اپنا حق نہیں مانگتی یا معاف کر لیتی ہے جو کہ شرعاً یہ معافی قابل قبول نہیں ہوتی۔دین اسلام کے خصوصی امتیازات میں سے ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ عورتوں کے دیگر حقوق کی تحفظ کی طرح معاشی حقوق کے تحفظ کو ممکن اور سہل الحصول بنا دیا ہے۔یتیم اور نابالغ بچوں اور بچیوں کو میراث کا حقدار ٹھہرایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے مال کی حفاظت کا اور اسے ہلاک نہ کرنے کا درس دیا ہے تاکہ ان کے معاشی حقوق کی حفاظت ہو سکیں ([84])۔

اسلام نے میراث کا جو نظام وضع کیا ہے اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی ([85])۔لوگ مختلف حیلوں اور بہانوں سے میراث کو روک لیتے ہیں ۔ میراث پر عمل نہ کرنے کی صورت میں سخت وعید اور عذاب مبین ہے جیساکہ ارشاد ہے﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا ﴾ ([86])۔یعنی جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور ان کی حدود کو پائمال کریں گے تو ان کے لیے جہنم کی آگ اور عذاب مہین ہو گی۔

اسلام نے شوہر کے فوت ہونے پر بیوہ کا حصہ مقرر کیا ہے جو اسے ملے گا۔خواہ بیوہ ایک ہو یا ایک سے زائد، شوہر کے فوت ہونے پر ترکہ میں برابر شریک ہوں گی۔میت کے اگر بچے نہ ہوں تو بیوہ کو چوتھائی حصہ ملے گا۔ جس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت ۱۲ میں بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ﴾۔ جبکہ اولاد کی موجودگی میں بیوہ کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ ارشاد ہے۔﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾۔۔اگر اولاد نرینہ نہ ہو اور دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو اس صورت میں لڑکیوں کو ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ملے گا۔ جیساکہ ارشاد خداوندی ہے﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ﴾اور اگر میت کی ایک بیٹی ہو تو وہ نصف جائیداد کی حقدار ہوتی ہے۔جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾۔۔ اگر میت صاحب اولاد ہو تو میت کے والدین کو چھٹا حصہ ملے گا۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَلأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾۔ اور اگر میت کی اولاد اور بہن بھائی نہ ہو۔ تو اس صورت میں میت کی ماں کو ترکہ میں سے ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی حصہ ملے گا جیساکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے﴿ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلأُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ ۔ اسی طرح میت اگر صاحب اولاد نہ ہو مگر اس کے بہن بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا جبکہ باقی باپ کو ملے گا ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ ۔قرآنی اور احادیث نے بیوہ کو جو حق میراث دیا ہے لوگ اس سے بیوہ کو محروم کرتے ہیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کے حصصوں کے تعین میں کتنی فراخدلی کا مظاہرہ کیا ہے۔اور بتایا کہ تین مردوں شوہر، بیٹا اور باپ کی طرح تین عورتیں بیوی، بیٹی اور ماں کو بھی کسی حال میں وراثت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا

میراث کے متعین کردہ حصص پر اگر عمیق نظر ڈالی جائے تو اس میں عورتوں کے حصص مردوں کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہیں۔ اب جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں عورتوں کو میراث میں مردوں کے نسبت کم حصہ ملا ہے اور اس کی حق تلفی کی گئی ہے۔ وہ درحقیقت سطحی اعتراض کرتے ہیں جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ عورت کو معاشی سرگرمیوں سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور ان کی کفالت ہر حالت میں مردوں پر ہے اور اخراجات سے بری الذمہ ہے۔ اور کئی ایک مواقع پر اس کا حصہ مرد کے مساوی ہوتا ہے جیسے کہ میت کا بیٹا ہو تو ماں باپ کو یکساں چھٹا حصہ ملے گا۔ اس کے علاوہ وہ مہر بھی لیتی ہے جو کہ عورت کی معاشی تحفظ پر دال ہے۔ لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم یا تو خود مطالعہ نہیں کرتے اور یا مغرب کے تصورات سے مرعوب ہو کر معذرت خواہانہ لہجہ اختیار کرتے ہیں۔ اسلام نے میراث کی تقسیم جنس، ضرورت یا مساوات کی بنیاد پر نہیں کی ہے بلکہ قرابت کی بنیاد پر کی ہے جو عین عدل کا تقاضہ ہے۔ مگر بدقسمتی سے آج کا مسلمان دیگر تہذیبوں کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے بیوہ اور مطلقہ کے سماجی اور معاشی حقوق عملاً معطل ہیں۔ حقوق کی ادائیگی کا جو تصور قرآن وسنت نے دیا ہے اس کی کوئی مثال نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مؤثر قانون سازی اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے بیوہ اور مطلقہ کو اس کے سماجی اور معاشی حقوق نکاح ثانی، مہر، نان نفقہ اور میراث وغیرہ بروقت دلوائے جائے تاکہ خاندانی نظام غیر مستحکم نہ ہو اور ظلم بچا سکے۔

نتائج البحث

۱۔ ادیان غیر سماویہ (Non-Semitic Religions) جن میں یونانی، رومن، ایرانی، ہندومت، سکھ مت، بدھ مت، اور جین مت وغیرہ شامل ہیں کے پیروکاروں کا عورت بالخصوص اور بالعموم بیوہ اور مطلقہ کے ساتھ غیر انسانی رویہ رکھا ہوا ہے۔

۲۔ ان مذاہب میں عورت بالعموم جبکہ بیوہ اور مطلقہ بالخصوص نکاح، طلاق، نان نفقہ، مہر اور میراث سے محروم تھی۔ ادیان وضعی میں عورت، بیوہ اور مطلقہ کو جانوروں کی طرح منڈی میں بیچا جاتا تھا اور جوئے میں ہاری جاتی تھی۔ اس کی ماہواری کے دنوں میں اسے گھر سے دور رکھا جاتا تھا۔ بچیوں کی پیدائش پر عار محسوس کیا جاتا تھا۔ بیوہ بن کر ستی ہونے کو زندہ رہنے پر ترجیح دی جاتی تھی۔ مطلقہ بن کر وہ دیوروں کی داشتہ بن جاتی تھی۔

۳۔ ادیان سماویہ (Semitic Religions) جو یہودی تہذیب، عیسائیت اور اسلامی تہذیب پر مشتمل ہیں، کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہودیت اور عیسائیت بھی ادیان غیر سماویہ کی طرح خواتین، بیوہ اور مطلقہ کے جائز سماجی، اخلاقی اور معاشی حقوق کے استحصال میں پیش پیش ہیں۔

۴۔ مغربی اور یورپی تہذیبوں میں خواتین کے ساتھ معاشی رویہ یہودیت اور عیسائیت کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اس لیے مذہبی اعتبار سے ان دونوں ادیان میں عورت، بیوہ اور مطلقہ کے جائز اور فطری سماجی اور معاشی حقوق کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

۵۔ اسلام نے سابقہ شوہر سے اس شرط پر دوبارہ نکاح کو جائز قرار دیا ہے کہ دوسرے شوہر سے صحبت کے بعد اگر اس کا خاوند ثانی فوت ہو جائے یا وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے تو اس صورت میں یہ اپنے سابقہ شوہر سے عدت کے بعد نکاح کر سکتی ہے جو عین فطرت سلیمہ ہے۔ اسلام نے عورت کو بحیثیت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے اس کے جائز فطری، دینی، اخلاقی، سیاسی، سماجی، اور معاشی حقوق دیے ہیں۔

۶۔ بیوہ اور مطلقہ کی حیثیت سے اس کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے نکاح ثانی پر زور دیا ہے، اس کے یتیم بچوں کے حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنانے کے لیے ہدایات دی ہیں، بیوہ کو حق میراث دیا ہے، اس کے حق مہر کی ادائیگی اور حصول رزق کے لیے کام کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اور اسے جائیداد میں حق ملکیت عطا فرمایا۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[1] . Divorce level: Basic, "Jewish attitude toward divorce" http://jewfaq.org/divorce.htm, retrieved on 11/4/2020

[2] ۔ کتاب مقدس، ریوازڈ ورژن، بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور، 2003ء، سفر الاستثناء ۲۴: ۱۔ ۴

[3] ۔ سفر الاستثناء، باب ۲۵: ۵۔ ۱۰

[4] ۔ فواد عبدالمنعم، ابحاث الشرائع فی الیہودیۃ، والنصرانیۃ والاسلام، مؤسسۃ الشباب الجامعۃ الاسکندریۃ، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۹ء، ص ۹۶

[5] ۔ سفر الاحبار، باب ۲۱: ۷

[6] ۔ سفر الاحبار، باب ۲۱: ۱۳۔ ۱۴

[7] ۔ غضنفر احمد، عالیہ، خواتین کا حق میراث ایک تجزیاتی مطالعہ، کتب سماویہ کی روشنی میں، الثقافۃ الاسلامیۃ، ش ۳۹، جون ۲۰۱۸ء، ص ۷۸

[8] ۔ سفر گنتی، باب ۲۷: ۱۔ ۱۱۔ اور سلاطین باب ۲: ۹ اور پہلوٹھے کے تصور اور خصوصیت پر مزید مطالعہ کے لئے سفر پیدائش، باب ۲۲: ۳۷ اور باب ۴۹: ۳، اور سفر الخروج، باب ۲۲: ۴ اور باب ۷

[9] ۔ ضیاء الدین، سید، عورت قبل از اسلام اور بعد از اسلام، النور ہیلتھ وایجوکیشن ٹرسٹ/راحت ایجوکیشن ٹرسٹ کراچی، ۲۰۰۶ء، ص ۳۳

[10] . http://www.ehow.com/facts_6772911_jewish-law-concerning-inheritance.html(11,12,13), retrieved on 12 Feb, 2020

[11] ۔ فواد عبدالمنعم، ابحاث الشرائع فی الیہودیۃ، والنصرانیۃ والاسلام، ص ۱۰۰۔ ۱۱۰

[12] ۔ سفر الاستثناء، باب ۲۱: ۱۵۔ ۱۷

[13] . A. Cohan, Every Man's Talmud, p 307, also see, www.submission.org

[14] ۔ ضیاء الدین، سید، عورت قبل از اسلام اور بعد از اسلام، ص ۳۳۔ ۳۴، اور ایس ایم شاہد، تعارف مذاہب عالم، نیو بک پیلس لاہور، س۔ن، ص ۵۲۴

[15] ۔ غلام رسول، چوہدری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علمی کتب خانہ لاہور، س۔ن، ص ۳۹۳

[16] ۔ سفر الاستثناء ۲۷: ۲۰

[17] ۔ ضیاء الدین، سید، عورت قبل از اسلام اور بعد از اسلام، ص ۳۵۔ ۳۹

[18] ۔ سورۃ النساء: ۲۲

[19] ۔ قرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، ج 5، ص ۱۰۵۔۱۰۶

[20] ۔ سفر الاستثناء، باب ۲۲: ۱۳۔۲۱

[21] ۔ سفر الاستثناء، باب ۲۲: ۲۸۔۲۹

[22] ۔ د. حمیدہ، المراۃ بین الاسلام والیھویۃ، مجلّہ القلم، دسمبر ۲۰۰۹، ص ۳۳۰۔۳۳۱

[23] ۔ ایضاً، ص ۳۳۴

[24] https://www.independenturdu.com/node/24851/میگزین/تاریخ/یہودیت-میں-عورت-کو-کیا-مقام-حاصل-ہے؟, retrieved on April 13, 2020

[25] ۔ جمال اصمعی، ثروت، عورت مغرب اور اسلام، آئی پی ایس، اسلام آباد، ۲۰۱۸، ص ۱۱۱۔۱۱۲

[26] سفر کرنتھیوں ۱، باب ۷: ۸۔۹

[27] سفر کرنتھیوں ۱، باب ۷: ۳۹۔۴۰ اور سفر رومیوں، باب ۷: ۱۔۴

[28] سفر الاستثناء، باب ۲۵: ۵۔۸

[29] ۔ ڈاکٹر عبدالحیٔ ابڑو، میراث و وصیت کے شرعی ضوابط، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۲۱ء، ص ۲۰

[30] http://answes.yahoo.com/question/index?qid(11,12,13), retrieved on 02 Feb, 2020

[31] http://www.islamweb.net/emainpage/index.php?page=articles&id=17710(11,12,13) retrieved on 02 Feb, 2020

[32] ۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۲

[33] ۔ سفر متی، باب ۵: ۱۷۔۱۸

[34] ۔ ڈاکٹر خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء/۱۴۲۵ھ، ص ۹۷

[35] ۔ سفر پیدائیش، باب ۳: ۱۔۱۸

[36] ۔ سورۃ البقرۃ: ۳۴۔۳۶

[37] ۔ سفر پیدائیش، باب ۳۵: ۱۰

[38] ۔ سفر پیدائش، باب ۳۵: ۲۳

[39] ۔ سفر پیدائش، باب ۳۵: ۲۲

[40] ۔ سفر پیدائش، باب ۳۸: ۸۔۱۱

[41] سفر پیدائش، باب ۳۸: ۱۷۔۱۹

[42] سفر سموئیل دوم، باب ۱۳: ۱۔۱۴

43 سفر کرنتھیوں ا، باب ۷: ۸

44 ۔ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ، ج ۴، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۲ء/ ۱۴۲۳ھ۔ ص ۲۴۸

45 ۔ سفر کرنتھیوں ا، باب ۷: ۲۔ ۳

46 ۔ مودودی، ابوالاعلی، پردہ، اسلامک پبلیکیشنزلاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵۔ ۲۶

47 ۔ حنا باری، قرآن اور بائبل کی روشنی میں عورت کے مقام کا جائزہ، پی ایچ ڈی مقالہ، علی گڑھی یونیورسٹی، س۔ن، ص ۱۵۲۔ ۱۵۴

48 ۔ سفر متی باب ۱۹: ۸، اور سفر مرقس باب ۱۰: ۴

49 ۔ سفر الاستثناء، باب ۲۲: ۲۸۔ ۲۹

50 حافظ محمد زاہد، مذاہب عالم میں شادی بیاہ کی تعلیمات، ص ۱۵۵، بحوالہ قاموس الکتاب ص ۵۵۹

51 سفر پیدائش، باب، ۳۴: ۱۔ ۳۱

52 ۔ سفر الخروج، باب ۲۲: ۱۶۔ ۱۷

53 ۔ سفر سموئیل ا، باب ۱۸: ۱۷۔ ۲۶

54 ۔ صحیح بخاری جلد دوم میں ص ۸۶۹ پر ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا "كنا في الجاهلية لا نعد النساء شيئا فلما جاء الإسلام وذكرهن الله رأينا لهن بذالك حقا علينا...ألخ"

55 ۔ سورۃ البقرہ: ۱۸۷

56 ۔ عمری، جلال الدین، خاندانی نظام اور قرآنی تعلیمات، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جنوری ۲۰۱۰، ص ۱۱

57 ۔ سورۃ النساء: ۱۹

58 ۔ الطبری، آبو جعفر، تہذیب الآثار، باب خیارکم خیارکم لنسائہ، ج ۲، ص ۱۶۷

59 ۔ ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید، السنن، کتاب النکاح، دار احیاء الکتب العربیۃ بیروت، س۔ن، رقم الحدیث، ۱۸۵۵

60 ۔ عمری، جلال الدین، خاندانی نظام اور قرآنی تعلیمات، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جنوری ۲۰۱۰، ص ۱۶۔ ۱۷

61 ۔ سورۃ البقرۃ: ۲۲۹

62 ۔ سورۃ البقرۃ: ۲۳۱

63 ۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، ج دوم، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، ۱۹۹۹، ص ۲۰۸۔ ۲۰۹

64 ۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، باب فی الثیب، ج ۲، المکتبۃ العصریۃ بیروت، ۲۰۱۱ء/ ۱۴۳۲ھ، ص ۱۹۶

65 ۔ جامع مسلم، باب استئذان الثیب فی النکاح، ج ۴، ص ۱۴۱

66 ۔ جصاص، ابوبکر، احکام القرآن، ج دوم، ص ۲۱۴

67 ۔ بیوہ خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ تاہم وہ اپنے نان نفقہ کا خود ذمہ دار ہے اس لئے دوران عدت ان کے لئے دن کو باہر نکلنے کی اجازت ہے تاہم

مطلقہ کے لئے دن کے وقت باہر جانے کی اجازت نہیں ہے اس لئے کہ مطلقہ کا نان ونفقہ طلاق دینے والے شوہر پر عائد ہوتا ہے۔اسی طرح حدیث ہے کہ "لاوصیة لوارث" دوسرے قول کے مطابق اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کا نان نفقہ مرحوم شوہر کے مال سے ہوگا۔تاہم بعض فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ سابقہ شوہر کو مطلقہ کے متعہ پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔احکام القرآن، ج دوم، ص۲۶۰۔ ۲۶۴اور۲۸۲۔ ۲۸۵،اس حوالے سے صحیح موقف کو سمجھنے کے لئے دیکھئے مطلقہ اور بیوہ کی انٹرویوز جس میں تفصیل موجود ہے۔

[68]۔علوی، ثریا بتول، جدید تحریک نسواں اور اسلام، ص۲۶۰۔۲۶۱،مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے سید احمد عروج قادری کی کتاب، اسلام کے عائلی قوانین، ص۲۰۹، جس کو مرتب کیا ہے ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی نے اور اسلامی پبلشرز دہلی نے ۲۰۱۵ میں شائع کیا ہے۔

[69]۔ سورۃالبقرہ: ۲۳۶

[70]۔ سورۃالنور: ۳۲

[71]۔ صلاح الدین یوسف، احسن البیان (اردو)، مترجم، مولانا محمد جوناگڑھی، دارالسلام، ۱۴۲۹ھ، حاشیہ، ۷، ص ۸۰۳

[72]۔ الترمذی، جامع الترمذی، باب السعی علی الأرملة والیتیم، داراحیاء التراث، بیروت، تحقیق:احمد محمد شاکر وآخرون، دار احیاء التراث-بیروت، س-ن، ج۴،ص۳۴۶

[73]۔الترمذی، جامع الترمذی، ج۱، ص۳۲۰،رقم۱۷۱

[74]۔ الحاکم،ابو عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، دارالکتب العلمیة، بیروت، س-ن،حدیث نمبر۷۳۴۵

[75]۔ سورۃالنساء: ۱۹

[76]۔الطبرانی، المعجم الأوسط،ج5،ص۳۶۵

[77]۔ مسعود، احمد، پردہ اور عورت، ادارہ مسعودیہ۔کراچی ۱۹۹۵/ ۱۴۱۵ھ، ص۵

[78]۔ سورۃالنساء: ۷

[79]۔ ابی السعود العمادی، ارشاد العقل السلیم،ج۲،حسب ترتیب مکتبة الشاملة، ص ۴۰، اور ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل، تفسیر القران العظیم، دار طیبة للنشر والتوزیع، ۱۴۲۹ھ/ ۱۹۹۹ء، ج۲، ص۲۴۰۔ اور الرازی، فخرالدین، مفاتیح الغیب (تفسیر الکبیر)،داراحیاء التراث بیروت، ج ۹،ص۵۰۲

[80]۔ سورۃالنساء: ۱۱

[81]۔ رشید رضا، تفسیر المنار، ط: مصری، ج۴، س-ن، ص ۴۰۵

[82]۔ معارف، نمبر۵۔۶، ج۷، ۱۹۲۱، ص۴۱۶

[83]۔ابن عربی، ابو بکر محمد بن عبداللہ، احکام القرآن، دارالکتب العلمیة بیروت، لبنان، ۲۰۱۴ء/۱۴۳۵ھ۔ج۱، ص۱۳۸

[84]۔ محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، ۲۰۱۷ء/۱۴۳۹ھ، ج۱، ص۳۱۹۔۳۳۱

[85]۔ ضیاء الدین، ہارون الرشید، تقسیم میراث سے متعلق شرعی احکام اور مروجہ رسومات کا تحقیقی جائزہ، جرنل آف ریلیجیس سٹڈیز

یونیورسٹی آف چترال، شمارہ ۲، ج ۴، جنوری۔جون ۲۰۲۰ء، ص ۱۹۱۔ ۲۰۴

[86]۔ سورۃ النساء : ۱۴